سوال نمبر2(الف) (i)

حکومت برطانیہ کی ہندوستان کے مسلمانوں سے عناد کی وجہ

پہلی جنگِ عظیم جب چھڑ گئی تو اس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چونکہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کی وجہ سے خلیفۂ اسلام سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے مالی اور طبی امداد بھی بہم دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا۔

سوال نمبر2(الف) (ii)

پہلی جنگ میں جب انگریزوں کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا تو مسلمانوں نے ترکی کی حمایت اس لیے کی چونکہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کی وجہ سے **خلیفۂ اسلام** سمجھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مالی اور طبی امداد بھی بہم پہنچائی۔

سوال نمبر2(الف) (iii)

حکومتِ برطانیہ نے مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا لیکن انھوں نے یہاں کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس جنگ کے کامیاب ہو جانے کے بعد وہ ترکی کو **مزید نقصان** نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ محض فریب تھا۔ جب ان کو فتح حاصل ہوئی تو انھوں نے ترکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اپنے وعدے سے پھر گئے۔

تحریک خلافت :-

سوال نمبر 2(الف) (iv)

جب انگریزوں نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ وہ جب ختم ہونے کے بعد ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے - یہ وعدہ محض فریب تھا اور جنگ ختم ہونے کے بعد انھوں نے ترکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے - یہاں کے مسلمانوں کو فریب کی وجہ سے بہت تکلیف ہوئی اور انھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی رہنمائی میں تحریک خلافت شروع کی -

---

سوال نمبر 2(الف) (v)

شدھی تحریک اور سنگھٹن کی تحریک کا بنیادی مقصد "مسلمانوں کو ہندو" بنانا تھا - اس زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے شدھی تحریک شروع کی اور ان کے ختم کرنے کے لیے سنگھٹن کی تحریک بھی شروع کی -

---

مرکزی خیال

سوال نمبر 2(الف) (vi)

اس عبادت کا مرکزی خیال جنگ عظیم اول سے شروع ہوتا ہے جہاں انگریزوں اور جرمنی کے درمیان مقابلہ ہوا اس وقت ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا اور مسلمانوں نے ترکی کا ساتھ کیونکہ وہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفہ اسلام مانتے تھے - انگریز نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ وہ ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر وہ وعدہ وفا نہ ہوا - جس کی وجہ سے مسلمانوں نے تحریک خلافت شروع کی - ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کے لیے نفرت شدھی اور سنگھٹن تحریک اور ہندو لیڈروں کے خیال ہے - جس نے مسلمانوں کو جوش دلایا -

سوال نمبر2(ب) (i)

مجاہد وہ اللہ کے پسندیدہ بندے تھے جو اللہ کے نام و ذکر سے کانپ جاتے تھے، مگر کفار کا بڑے سے بڑے لشکر ان کو ڈرا نہ سکا - ان کی ان خوبیوں پر فرشتے بھی فخر کیا کرتے تھے - یہ وہ **زاہد** تھے جو صرف اللہ کی ذات کے سامنے ہی سر جھکایا کرتے تھے جو یہ راتوں کو اٹھ کر سجدے کیا کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے تھے - یہ اللہ کے پسندیدہ بندے صرف اسی کے سامنے جھکتے اور کافروں کی جنگی تیاریاں ان کے ایمان و جذبے میں اضافے کا باعث تھیں -

---

سوال نمبر2(ب) (ii)

اسلام نے لوگوں کے دلوں میں احساس خدمت کو بیدار کر دیا ہے - ان اللہ والوں کے دلوں میں دوسروں کے لیے احساس اور مخلوق خدا کی خدمت سوار ہو چکی تھی - وہ اپنی ذات پر لوگوں کو ترجیح دیتے تھے - کیونکہ وہ اس بات کو ~~نسل~~ پر تسلیم کر چکے تھے کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے - وہ لوگوں کی خدمت کر کے اللہ کے قریب ہو رہے تھے -

---

سوال نمبر2(ب) (iii)

اسلام کا ہادی

اسلام کا ہادی سے مراد نبی ﷺ کی ذات تھی - جو ہدایت و نور کا سرچشمہ تھے - ان کی بعثت دنیا کے لیے ہدایت و رہنمائی لے کر آئی - ہادی سے مراد ہوتا ہے "ہدایت دینے" والا - کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی وحی کے ذریعے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان کیا تھا اس لیے ان کو اسلام کا ہادی اور غیر خواہ کہا گیا ہے - جو وحی ان تک اللہ کی طرف سے آتی وہ اسے لوگوں کی ہدایت کا سامان بناتے -

سوال نمبر 2(ج) (i)

جگ میں آکر شاعر اسے نتیجے پر پہنچے کہ انھیں ہر جگہ اللہ کی ذات ہی دکھائی دینے لگی۔ ہر چیز میں اس کے نور کے جلوے نظر آنا آنے لگے۔ شاعر نے یہاں **فلسفہ وحدت الوجود** کا ذکر کیا ہے جو اللہ کی عظمت، بڑائی اور اس کے واحد ہونے کی دلیل پیش کرتا ہے۔ شاعر روحانیت کے اس درجے پر فائز ہو گئے ہیں کہ اب ان کو ہر جگہ اللہ کی ذات ہی نظر آتا ہے۔ شاعر کے دل میں حبِ خدا کا وہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ ان کو ہر چیز میں اسی کا حسن نظر آتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کائنات کی ہر شے میں صرف اسی ذات کا حسن کے جلوے ہیں۔

سوال نمبر 2(ج) (ii)

شاعر نے تازگیٔ خیال کا مطالبہ اس لیے کیا ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ ایک پرانی سوچ کا قیدی ہے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ جدید دنیا میں آتی رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں پرانی سوچوں کا قیدی ہوں اور میں اس قید سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں جو کہ تب ہی ممکن ہو گا جب مجھ کو تازگیٔ خیال عطا ہو گا۔ شاعر اپنے آپ کو اس دنیا کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں جس کے لیے انھیں نئی چیزوں کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ مگر یہ تب ممکن ہے جب ان کا تازہ خیال عطا ہوں۔

سو وہ بھی نئے خیالات والے، میں ہر روایات کا پابند
وہ اپنی بات پر قائم، میں اپنی بات کا پابند

سوال نمبر 2(د) (i)

مرثیہ

مرثیہ عربی زبان کے لفظ 'رثا' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے کہ مردے کے ~~کے~~ اس دنیا سے جانے کے بعد رونا ۔ اس کو ہم خاص اور قیمتی شخصیات کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد استعمال کرتے ہیں تاکہ ان عظیم ہستیوں کے صفات و کمالات کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ، ان کی موت پر دکھ کا اظہار بھی کیا جا سکے ۔ اردو اور فارسی میں مرثیہ کربلا کا واقعہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ سو پیاسی تھی جو سیاہ خیمہ رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھی موج فرات کی

اجزا:۔

① چہرہ :۔ اس میں اس کی شکل و صورت کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔
② سراپا:۔ اس میں اس کے شجرے اور خاندان کا ذکر ملتا ہے ۔

سوال نمبر 2(د) (ii)

صنعتِ تلمیح:۔

تلمیح کا معنی ہے "ہلکی سی نگاہ ڈالنا" ۔ صنعت تلمیح سے مراد ہے کہ جب شاعر اپنی شاعری اشعر میں کسی تاریخی واقعہ، قرآنی آیات وغیرہ کو جگہ دیتا ہے تو وہ صنعت تلمیح کہلاتا ہے ۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دردِ دل کی دوا کرے کوئی

اس میں **ابنِ مریم** " حضرت مریم علیہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو کہ ایک تلمیح ہے ۔

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1) (الف)

تشریح:-

یہ اقتباس **مشتاق احمد یوسفی** کی تحریر کردہ انشائیے **کانی** سے لیا گیا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کا شمار اردو ادب کے مشہور طنز و مزاح کے شاعر کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں ہمیں طنز و مزاح پڑھنے کو ملتا ہے۔ ان کی شاعری سے صحیح معنوں میں طور پر لطف وہ ہی سکتا ہے جو اہل ذوق، تاریخ کا مشاہدہ کرتا ہوں اور معلومات عامہ سے واقفیت رکھتا ہو۔

مشتاق احمد یوسفی اپنے اس انشائیے میں کانی کے استعمال اور اہل کانی کے ذوق پر بات کرتے نظر آتے ہیں۔ اس پیراگراف میں وہ اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی چیز بے کار نہیں ہوتی۔ ہر چیز کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور رکھتی ہے۔ اگر انسان کو غور و فکر کرنے کی عادت ہو جائے تو پھر وہ ہر بری چیز میں سے ایک اچھا پہلو نکال ہی لیتا ہے۔ یہ الفاظ ایک گہری بات کو ایک خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں جو کہ یوسفی صاحب کی خوبصورت بیانی کو ظاہر کرتا ہے۔

نہیں کوئی چیز نکمی اس زمانے میں
کوئی چھوٹا بڑا نہیں ترے قدرت کے کارخانے میں

اس بات کی دلائل وہ کچھ یوں پیش کرتے ہیں۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ حقہ پینے سے تفکرات اور بے وجہ سوچ پاس نہیں آتی جو اس مفروضے صحت چیز کا فائدہ ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ تمباکو کے بارے میں بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پھر تو میں یوں کیا سکتا ہوں کہ تمباکو سے خیالات نہ لیا بندہ بھی اس کی بو کی وجہ سے آپ کے قریب نہیں آئے گا۔ اس طرح آپ بندے اور خیالات دونوں سے دوری اختیار کر سکتے ہیں۔ کانی کے بارے میں میں کہوں گا

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2)

ع کم عمر لوگ نے پی ہی نہیں

اب وہ دیگر اشیائے خورد و نوش پر نظر ڈالتے ہیں ۔ وہ مرچیں کھانے کا ایک آسان سا فائدہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے مشرقی کھانوں کی شان اور جہان انہی سے ہے ۔ یہ مرچیں ہی تو ہمارے اور مغربی کھانوں کے درمیان فرق سکھایا کرتی ہے ۔ ہم مرچوں کے بغیر کھانا بناتے نہیں اور وہ اس کے ساتھ کھاتے نہیں ہیں ۔ اب مصنف غیرہ گاؤ زبان کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ لوگ اس لیے کھاتے ہیں کہ راشن کارڈ سے جو شکر حاصل ہوتی ہے اس کو حلال کرنا کا صرف یہی ایک طریقہ ہے ۔

اپنی مٹی پر چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگِ مرمر پر چلو گے تو پھسل جاؤ گے

اس چیز سے ایک ملکی منفعت کو فروغ ملتا ہے اور ہمارے نفس کو بھی سکون حاصل ہوتا ہے ۔ کیونکہ ہم اپنے نفس کے غلام ہے اور اس کی تسکین کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے ۔ اب جو وہ اس المیہ کو بیان کرتے ہیں جو ہمارے معاشرے میں عام ہے ۔ ہم پھل سبزیوں کو کوئی خاص پسند نہیں کرتے اور انہیں زیر سمجھتے ہیں تو اس کے ذمن میں وہ لکھتے ہیں کہ شلغم ہم کھاتے نہیں ہیں کیونکہ اس میں وٹامن ہوتا ہے ۔ لیکن اگر ہم جدید ریسرچ کو پڑھے تو معلوم ہوتا ہے کہ گاجر میں گاجر کے سوا کچھ نہیں ہیں ۔

اس اقتباس میں شاعر نے مزاحیہ انداز اپنا کر ہماری اصلاح کی ہے کیونکہ

ابھی تو طفلِ مکتب ہو، سنبھالو اپنے جوتوں کو
پرندے تو کئی منزلوں کا بڑا نقصان کرتے ہیں۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1) (ب)

تشریح:۔

یہ اشعار فیض احمد فیض کی نظم سے لیے گئے ہیں۔ فیض کے ہاں غم دوراں اور غم جاناں دونوں پائے جاتے ہیں۔ فیض کے ہاں ان کا محبوب وطن ہے جس سے وہ اسی طرح عقیدت کا اظہار کرتے ہیں جیسے کوئی اپنے محبوب سے کرتا ہے۔ فیض کو یقین ہے کہ جب عقیدت اور عشق کسی شاعر کی ذات اور فن میں ڈھل جاتا ہے تو پھر ایک ترقی پسند شاعری جنم لیتی ہے۔ ان کی زندگی کے بہترین ماہ و سال قید و بند میں گزرے۔ ان کی یہ نظم ان کی شاعری مجموعے دستِ بہار سے لی گئی ہے جو ان کی قید و بند کی یادگار ہے۔

اس شعر میں شاعر زمانے دستور بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے حبِ وطن! تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ کیونکہ اس دنیا میں پہلی دفعہ ایسا نہیں ہوا کہ جب حق پسندوں کو ظلم کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ ہمیشہ ایک محبوب کو ایک رقیب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ چاہے جتنے بھی ستم کر لیں مگر ہمارے سینے میں لگی آزادی کی آگ کو کم نہیں کر سکیں گے۔ ہر جگہ اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اچھائی کو ہمیشہ برائی کا سامنا رہتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہی تو دستورِ حیات ہے۔

زمین میں کل کھلائی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

یہ لوگ ہمارے سینے میں لگی ہوئی آگ میں اضافے کا سبب بنتے ہیں کیونکہ

ع یہ لو آئی ہیں اب مجھے اونچا اڑانے کے لیے

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2)

لہٰذا ان کھلا تکالیف کو برداشت کرو۔ اور اپنی نظر بر دھان رکھو۔ اپنی یار سے مایوس نہ ہو جاؤ کیونکہ یہ یار تو ہر زمانے میں منزل پسندوں کو ملی ہے۔ اس یار میں بھی کامیابی جیت ہے۔ اس یار سے دل چھوٹا کر کے نہ بیٹھ جانا مگر مسلسل جدوجہد میں لگے رہو۔ ایک نہ ایک دن تم کامیاب ضرور ہو جاؤ گے۔ کیونکہ قرآن میں ہے:۔

"اللہ محنت کرنے والوں کے ساتھ ہے"

شاعر اس سرزمین وطن کے جان نثاروں کے لیے ہمت بانٹتے نظر آتے ہیں اور انہیں آگے بڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اردو شاعری میں شاعر اکثر اپنی تمام تر نکلی تکالیف کا مقصود وار اور مرکز آسمان کو ٹھہراتے ہیں اور اپنے محبوب سے دوری پر وہ اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہاں شاعر آسمان سے شکوہ و شکایت نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے میں تیری جدائی کا مقصود وار آسمان کو نہیں سمجھتا اور نہ ہی اس سے شکوہ کرتا ہوں۔ بلکہ یہ جدائی تو میری تجھ سے محبت کی طلب میں اضافے کا باعث ہے اور مجھے تیرے لیے بے تاب کرتی ہے۔ اور تیرے قریب کرتی ہے۔

سو دل ناامید تو نہیں ناکام ہی تو ہے
لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے

سو چمک اٹھا ہے ستارا وطن کا
پاکستان ہمارا، روشنی کا نشان

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1) الف

شعر نمبر 2

یہ غزل "علامہ اقبال" کی غزل ہے۔ جو اس شعر میں انسانوں کو ترقی کو خوشحال بننے کا درس دے رہے ہیں۔ یہاں وہ فلسفہ حرکت و عمل کی بات کرتے ہیں۔ وہ یہ بات سمجھاتے ہیں کہ ایک ہر منزل کو پالینا ہی کامیابی نہیں ہے۔ بلکہ اگر تم نے ایک ہر منزل پا لی ہے تو آگے کی منازل پر نظر ڈالو۔ اسی منزل کو اپنا مستقل ٹھکانہ نہ سمجھ لو۔ کیونکہ یہ عمل تمہیں اس مقام سے بھی گرانے کا سبب بنے گی جس کو تم نے اپنا مستقل ٹھکانہ سمجھ لیا ہے۔

مشقت کی ذلت جنھوں نے اٹھائی
یہاں ہیں ملی ہے فراوان کو بھلائی

یہ شعر فلسفہ حرکت و عمل پر روشنی ڈالتی ہے اور حرکت و عمل کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ وہ قول ہے حرکت میں برکت ہے۔ تو بس موصوف کا شیوہ مسلسل جدوجہد کا ہونا چاہئے۔ کیونکہ ٹھہراؤ موت کی علامت ہوتی ہے اور حرکت و عمل زندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ لہذا صرف ایک مقام کو پا کر اس پر خوش ہو جانا عقل مندی نہیں بلکہ ایک بے وقوف کا طرز عمل ہے۔ مومن تو ہمیشہ آگے بڑھتے ہی نظر آنے چاہئے۔ تاکہ دنیا میں نام باقی رکھ سکے۔

ہیں اس گلستاں کے جتنے بڑھتے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر جڑھتے ہیں

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2)

شعر نمبر 01

اس شعر میں شاعر عشق کی راہ میں آنے والی مشکلات کا ذکر کرکے ہمیں ان کے لیے تیار کر رہا ہے۔ اس شعر میں بھی مسلسل جدوجہد کے موضوع کو اپنایا گیا ہے۔ انسان کو تلقین کی گئی ہے کہ اس کو ہر وقت نئی منازل کی تلاش میں لگے رہنا چاہیے۔ وہ یہ بات کہتے ہیں کہ ابھی تو تیرے عشق کا آغاز ہوا ہے۔ یہ عشق اپنے کام اور اپنے وطن سے بھی ہو سکتا ہے اور دنیاوی اور مجازی معنوں میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

بس اس عشق کی منازل میں اگر ہم کسی ایک منزل پر رُک کر اسے اپنی آخری منزل تسلیم کر دو گے تو تباہی تمہارے نصیب میں لکھ دی جائے گی۔ زندہ رہنے کے لیے ہمیشہ آگے بڑھنے اور مسلسل لگن میں اپنی ذات کو مصروف رکھنا پڑتا ہے۔ اگر تم نے اس زمین کو مسخر کر لیا ہے تو آسمان تمہارا منتظر ہے۔ بس مسلسل لگن اور کام کو اپنائے رکھو کیونکہ اسی میں تمہاری فلاح کا پہلو چھپا ہوا ہے۔ ناکامی کے بعد بھی آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3)

شعر نمبر 03

اس شعر میں بھی شاعر نے مومنوں کو اپنے پسندیدہ پرندے "شاہین" سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح شاہین کبھی بھی ایک جگہ پر نہیں رکھتا بلکہ وہ مسلسل اڑتا رہتا ہے اور اتنا اونچا اڑتا ہے۔ شاعر بھی یہاں مومنوں کے انداز میں ہی دست اور عمل و حرکت کا حوصلہ دیکھنے کا خواہش کرتا گواہ ہے۔ جس طرح شاہین اپنی بلند اور تیز پرواز کی وجہ سے مشہور ہے اسی طرح مومنوں کو بھی اس مستقل مزاجی کو اپنی ذات میں شامل کرکے آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔

دیکھا دوں گا جہاں کو جو میری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی سوزِ آشنا حیراں کرکے چھوڑوں گا

اس شعر میں بھی حرکت میں برکت کے حوصلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ جہاں میں کامیابی صرف اسی کو ملتی ہے جو اس اصول پر کاربند ہو کر زندگی کی راہوں پر گامزن ہو جاتا ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرے

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1)

خط

از کمرۂ امتحان

18 مئی 2024ء

جنابِ اخبار مدیر!

السلام و علیکم!

آج میرا یہ خط لکھا لکھنے کا مقصد ایک بہت اہم مسئلے کی طرف حکومت کی نظر ~~دلانا~~ لیجانا ہے۔ اس مسئلے کی نوعیت اتنی بڑی ہے کہ یہ کسی کی توجہ سے محروم نہیں رہ سکتا۔ مگر ہماری حکومت اس مسئلے پر خود ہی نظر ثانی نہیں کرنا چاہتا۔

آج کے دور میں مہنگائی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کو مسئلات کا سامنا کرنا پڑھ رہا ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور ساتھ اس کے ساتھ غربت کی موجودگی، غربت میں مزید اضافے کا باعث بنتی جا رہی ہے۔ جس نے لوگوں کی زندگیاں مشکل بنا ڈالی ہے۔ لوگوں کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہو پاتی۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی صورت میں اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے۔

یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے کیونکہ یہ ہماری نوجوان نسل کو پڑھائی سے دور کرنے کا وجہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ غربت کی وجہ سے ہمارے نئے پڑھنے کے بجائے روزگار کی تلاش میں نکلتے نظر آتے ہے۔ ان کی آنکھوں میں خواب کے بجائے ایک زندگی بانٹنے کا خطرہ نظر آتا ہے۔ جو کہ ان کو تعلیم سے دور کر کے جاہلیت میں اضافے کا باعث بنتا نظر آتا ہے۔

میں غربت نے اڑا میرے فن کا مزاق
تیری امیری نے تیرے عیب چھپا رکھے ہیں

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 2)

اس بڑھتے ہوئے مسئلہ کی روک تھام کے لیے حکومت کو لوگوں کے لیے ایسے پروگرام لے کر آنے چاہئے کہ جو کہ ان کی دو وقت کی روٹی کو پورا کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے بھی مفت تعلیم کا بندوبست اور سفارش سٹ جیسے اقدامات اٹھانے چاہئے تاکہ ہمارے آنے والا مستقبل جہالت کی تاریکیوں سے دور ہو کر روشنی کی راہ

آپ کا اخبار یہ دھمکی ایک نئے مسئلہ کو نہ صرف اجاگر کرتا ہے بلکہ اس کے حل کے لیے بھی ہر ممکن کوشش میں پیش پیش نظر آتا ہے۔ امید کرتی ہوں کہ اس دفعہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ آپ کے وقت کا بہت شکریہ۔

~~میں لوازمات ہوں~~

الزافی
ملک کی خیر خواہ
ایف۔ی۔ے

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1)

سوشل میڈیا کے استعمال کے مثبت اور منفی پہلو

سوشل میڈیا کا استعمال ہمارے آج کے معاشرے میں ایک اہم ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جس کے بغیر جینے کے تصور سے لوگوں کی سانسیں رکنے لگی ہے۔ آج کی قوم کو کھانے، پانی کے بغیر جس چیز کی اشد ضرورت ہے وہ ہے سوشل میڈیا جس کو وہ ہر وقت اپنے ہاتھوں میں موجود موبائل فون کے ذریعے چلایا کرتے ہیں۔ اس میڈیا اور اس کے استعمال منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کا حامل ہے۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہے حالات

سوشل میڈیا جس کی اہمیت سے انکار کرنا آج کے دور میں ناممکن ہے، مگر وہ کچھ منفی اور مثبت پہلوؤں کے ساتھ ہماری زندگیوں میں اپنے قدم مضبوط کر چکا ہے۔ اس کے مثبت اثرات میں سب سے پہلا اثر یہ ہے کہ اس نے دنیا کو ایک **گلوبل ولیج** بنا ڈالا۔ جس کے ذریعے آج لوگ ایک دوسرے سے واقف رہ رہے ہیں۔ آج کل صرف ایک ہی کلیک پر آپ دنیا کے اس کونے سے کر اس کونے تک ہونے والی تمام سرگرمیوں کو بہ آسانی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو اس کے ذریعے آج دنیا کے فاصلے ختم ہو کر رہ گئے ہیں اور لوگوں کو رابطہ کرنے میں سہیل کا سامنا ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2)

سو رینگنے والے بھی اڑ سکتے ہیں سامب
اس کو کہتے ہیں ارتقا میرے دوست!

اس میڈیا کا ایک اور مثبت اثر جو ہماری زندگی میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ہماری **معلوماتِ عامہ** میں ایک بڑی حد تک اضافہ کر ڈالا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے علم میں بہت حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ اس میڈیا کے دور میں آج کوئی بھی تعلیم و علم کے شعبے میں دور اور پیچھے نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ اس تعلیم و درس کے شعبے میں بیش بیش نظر آتی ہیں۔ یہ سہولت بھی اسی میڈیا کے ہی مرہون منت دیکھنے کو ملا ہے۔ جس نے علم و فیاضت کے شعبے کو بامِ عروج سے نوازا ہے۔

سو محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جاتی ہے

ایک اور فائدہ اس میڈیا کے استعمال کا ہے یہ ہے کہ آج کے دور میں اب سب اپنی **آواز بلند** کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی آواز دنیا کے ہر کونے میں جاتی ہے۔ جس سے لوگوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتا ہے اور ان کی یہ آواز ان کے حقوق آواز کو بھی بلند کرتی ہے۔ ان کو یہ اعتماد مل گیا ہے کہ اب آج کی آواز سے سنی جائے گی اور اس کا اثر بھی ملے گا۔ اب کوئی ان سے حقِ خود ارادیت کو نہیں چھین سکتا۔ ان کو ان کے حقوق مل سکتے ہیں اور ان کا کردار بھی معاشرے کی تعمیر میں اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ کسی بڑے آدمی کا ہے۔

دل سے جو آواز نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3)

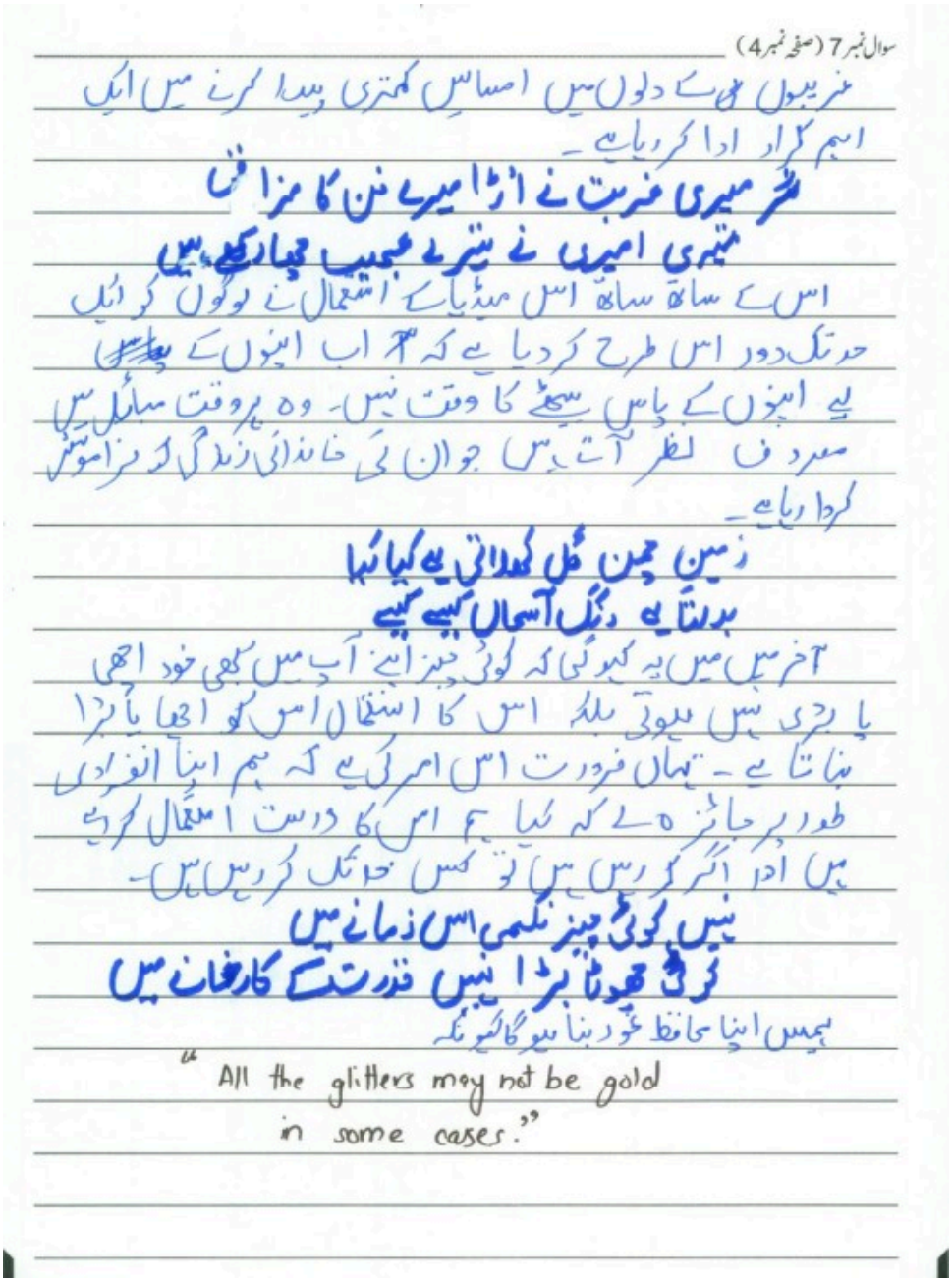
جہاں سوشل میڈیا کا استعمال ہماری زندگیوں پر گہرے مثبت اثرات مرتب کر رہا ہے وہاں اس کا استعمال گہرے منفی اثرات بھی چھوڑ رہا ہے۔ مگر برا اچھائی کی طرح برائی بھی اس چیز میں نہیں ہوتی جس کو ہم اچھا یا برا کہتے ہیں بلکہ اس کا صحیح صحیح استعمال اس کا اچھا برا پن ظاہر کرتا ہے۔

ابھی تو طفیل مکتب ہو سنبھال لو اپنے جوبن کو
پرندے کچی فصلوں کا بڑا نقصان کرتے ہیں

موجودہ دور میں اس سوشل میڈیا نے لوگوں کی پرائیویسی میں خلل پیدا کر ڈالا ہے۔ آج کے دور میں لوگوں کی پرسنل معلومات آسانی سے لیک ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے لوگوں میں ٹینشن بڑھ رہی ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ ان کی معلومات کو ان کے خلاف استعمال کر کے ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے لوگ آج کل اپنی جان لینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اس بلیک میلنگ کا سامنا نہ کر پا سکتے ہیں۔

دیکھا دوں گا جہاں کو جو میری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے میں چھوڑوں گا

اس کے ساتھ ساتھ لوگوں میں جزبہ ہمدردی اور احساس کمتری کو فروغ دینے میں بھی اس میڈیا کا کردار بیش بیش نظر آتا ہے۔ آج میڈیا پر لوگوں کی جھوٹی خود نمائش ہم حیثیت لوگوں کے دلوں میں احساس کمتری پیدا کرتی ہے۔ میڈیا پر مہنگے مہنگے کپڑوں، کھانوں، گاڑیوں وغیرہ کا ٹرینڈ



سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4)

غریبوں کے دلوں میں احساسِ کمتری پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

مگر میری غربت نے اڑا میرے فن کا مزا فقط
تیری امیری نے تیرے عجیب چہارکھے ہیں

اس کے ساتھ ساتھ اس میڈیا کے استعمال نے لوگوں کو ایک حد تک دور اس طرح کر دیا ہے کہ اب اپنوں کے پاس بھی اپنوں کے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں۔ وہ ہر وقت موبائل میں مصروف نظر آتے ہیں جو ان کی خاندانی زندگی کو فراموش کروا رہا ہے۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

آخر میں میں یہ کہوں گی کہ کوئی چیز اپنے آپ میں کبھی خود اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ اس کا استعمال اس کو اچھا یا برا بناتا ہے۔ یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنا انفرادی طور پر جائزہ لے کہ کیا ہم اس کا درست استعمال کر رہے ہیں اور اگر کر رہے ہیں تو کس حد تک کر رہے ہیں۔

نہیں کوئی چیز نکمی اس زمانے میں
کوئی چھوٹا بڑا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ہمیں اپنا محاسبہ خود کرنا ہوگا کیونکہ

"All the glitters may not be gold in some cases."